پیر الحاج ابو محمد محمد عبدالرشید رضوی قادری
اشاعت خاص صد سالہ عرس امام احمد رضا خان
امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
اور
فقہائے سلف سے اختلاف
مصنف
فیض ملت، آسمان تحقیق کے نیر اعظم
مفتی حضرت علامہ مولانا الحاج محمد فیض احمد اویسی
محمد اظہار النبی حسینی مصباحی
مدرس جامعہ اشرفیہ مبارکپور انڈیا
باہتمام
محمد شرافت علی قادری رضوی
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی سب آفس سمندری فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشاعت خاص صد سالہ عرس امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
اور
فقہائے سلف سے اختلاف

مصنف

مفسر اعظم پاکستان فیض ملت
علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

زیر سرپرستی

تصویر نائب محدث اعظم پاکستان
صاحبزادہ پیر ابوالحسن محمد غوث رضوی صاحب
سجادہ نشین آستانہ عالیہ سمندری شریف (پاکستان)

اہتمام

محمد شرافت علی قادری رضوی
مہتمم: جامعہ حنفیہ کردل سمندری (پاکستان)

نام کتاب	امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فقہائے سلف سے اختلاف
مصنف	...... مفسر اعظم پاکستان فیض ملت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ
پسند فرمودہ	...... ناشر رضویات پیر سید وجاہت رسول قادری رضوی
خصوصی تعاون	میلاد کمیٹی 388 گ۔ب (سمندری)

باہتمام	محمد شرافت علی قادری رضوی 0344-8672550
چیئرمین رشد الایمان فاؤنڈیشن سمندری
صفحات	...... ۴۰
تعداد	...... ۱۱۰۰
کمپوزنگ	سبحان کمپیوٹرز اینڈ پرنٹرز فیصل آباد 0301-7008928
ناشر	رشد الایمان فاؤنڈیشن سمندری (پاکستان)

ملنے کے پتے

- ☐ ...... جامعہ حنفیہ ۴۳۷ گرول گ۔ب سمندری (پاکستان)
فون نمبر: 0344-8672550
- ☐ ...... ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل ۲۵ جاپان مینشن ریگل صدر رضا چوک کراچی (پاکستان) 021-32725150

نوٹ: اِس کتاب کی پروف ریڈنگ انتہائی احتیاط سے کی گئی ہے اگر پھر بھی کوئی لفظی غلطی نظر آئے تو اطلاع فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں۔ تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اُس کی تصحیح کی جاسکے۔ (ادارہ)

فقہ حنفی اور فتاوی رضویہ

یہاں میرا روئے سخن صرف فقہ حنفی اور اعلیٰ حضرت کا فقہائے سلف سے اختلاف ہے؛ اسی لیے فقیر اُویسی غفرلہ ضروری سمجھتا ہے کہ پہلے کچھ فتاوی رضویہ کے متعلق مختصر اً عرض کروں۔

فتاویٰ رضویہ کا اگر غائرانہ نظر سے مطالعہ کیاجائے تو فقہ حنفی سے ہزاروں غیر منقح مسائل آئینہ کی طرح صاف وشفاف نظر آئیں گے۔ سینکڑوں مسائل صدیوں سے معرکۃ الآرا چلے آرہے تھے، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت نے انہیں ایسے عمدہ طریقے سے حل فرمایا جسے غیر بھی دیکھ کر صدائے آفرین بلند کیے بغیر نہ رہ سکے، چناں چہ فقیر کو اچھی طرح یاد ہے کہ سیدی استاذی المعظم حضرت سراج الفقہا(۱) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ احمد پور شرقیہ کے مشہور غیر مقلد

---

(۱) اسم گرامی حضرت مولانا سراج احمد لقب سراج الفقہاء ہے۔ آپ کی علمی و فقہی بصیرت کی بنا پر یہ لقب غزالیِ زماں حضرت سید احمد سعید شاہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا تھا۔ خان پور وطن کی نسبت سے "خان پوری" کہلاتے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت بروز بدھ ۱۴/ذوالحجہ ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۱/اگست ۱۸۸۶ء کو قصبہ "مکھن بیلہ" تحصیل خان پور، ضلع رحیم یار خان، پنجاب، پاکستان میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم قاعدہ اپنے گاؤں مکھن بیلہ میں شروع کی۔ پھر چاچڑاں شریف میں جامعہ فریدیہ (جس کے بانی حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ ہیں) میں ابتدائی کتب سے لے کر مطول تک تمام کتب استاذ العلماء مولانا تاج محمود صاحب اور جامع علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت مولانا غلام رسول سے پڑھیں۔ فنون عالیہ اور حدیث کی بعض کتب قصبہ مہمند ضلع بہاولپور کے معقولی عالم علامہ امام بخش، سے پڑھیں، اور ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں تقریباً ۱۴ سال کی قلیل عمر میں علوم نقلیہ و عقلیہ سے فارغ ہوئے۔

ابتداء میں آپ ذہنی طور پر کمزور تھے۔ پڑھنے میں دشواری محسوس ہوئی، آپ کی والدہ محترمہ ایک رات خواب میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئیں۔ آپ

مولوی نظام الدین سے میری گفتگو ہوئی کہ حدیث صحیح کے مقابل فقہا کے قول پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ " **الفضل الموهبي في معنى إذا صح الحديث فهو مذهبي** " کے ابتدائی اوراق منازل حدیث کے انہیں سنائے گئے تو کہنے لگے یہ سب منازل فہم حدیث مولانا کو حاصل تھے، افسوس کہ میں ان کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا۔ پھر میں نے فقہ کے چند مسائل کے جوابات رسائلِ رضویہ سے سنائے تو کہنے لگے کہ علامہ شامی اور صاحبِ فتح القدیر مولانا کے شاگرد نظر آتے ہیں، یہ تو امامِ اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں۔ (۱)

قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ مولوی نظام الدین مذکور کسی کو اپنا ہمسر تصور نہیں کرتے تھے چناں چہ دیوبند کے شیخ العلما خلیل احمد انبیٹھوی کے قیامِ بہاول پور کے دوران نظام الدین سے انبیٹھوی صاحب کے متعلق کسی نے دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ " علم تو بہت زیادہ نہیں کہ ابھی نو عمر ہیں مگر تیز اور سمجھ دار البتہ بہت ہیں۔ (۲)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراج الفقہاء کے بارے میں چند دعائیہ کلمات فرمائے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ بہت بڑا عالمِ دین ہوگا۔ پھر حنائی رنگ کے چند اوراق عطاء فرمائے، اور فرمایا: "مولوی احمد یار کو دے دینا تاکہ یہ پانی حل کر کے اپنے لڑکے کو پلائے"۔ چناں چہ وہ اوراق مولانا کو پلائے گئے، تو ان کا اثرِ عظیم ظاہر ہوا۔ (ایضا:۹۸) سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظرِ کرم سے زمانۂ طالب علمی سے ہی آپ کو ہم درس طلباء پر فوقیت حاصل تھی۔

"سراج اہل القبلہ" علم الفرائض، وصیت، اور میقات پر ضخیم کتاب ہے۔ جس کا خلاصہ "الزبدة السراجیہ فی علم المیقات والمیراث والوصیۃ" اور "سراج الفتاویٰ" آپ کی علمی ثقاہت و فقہی بصیرت بین دلیل ہیں۔ آپ کے اکثر فتووں کی بناء پر سابق ریاست بہاول پور میں عدالتی فیصلے ہوتے رہے۔

۵/ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۲/دسمبر ۱۹۷۲ء، بروز منگل ،۱۱:۰۰ بجے شب آپ کا وصال ہوا۔ (ملخصا از سوانح سراج الفقہا)

(۱) سوانح سراج الفقہا، ص: ۳۳، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور

(۱) تذکرۃ الخلیل، ص: ۱۲۹، مکتبۃ الشیخ، بہادر آباد، کراچی

امام شافعیہ جمل اللیل کا اعتراف عظمت

اس کا اعتراف عجمی علما کو تو لازمی تھا؛ اس لیے کہ ان کا مبلغ علم اتنا ہی تھا لیکن مرکز علوم وفنون کے مفتیوں نے جب اعلیٰ حضرت کی تحقیق پڑھی تو دنگ رہ گئے۔ مولانا رحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "۱۲۹۵ھ میں اعلیٰ حضرت اپنے والد ماجد کے ہمراہ زیارتِ حرمین سے مشرف ہوئے۔ ایک دن نمازِ مغرب مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) میں ادا کی۔ نماز کے بعد امامِ شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے گھر لے گئے۔ دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رکھا اور فرمایا:

"إني لأجد نور اللّٰہ من ھذا الجبين"(۱)

ترجمہ: بیشک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں

خطیب حرم کا اظہار عقیدت

یہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ابتدائی دور ہے۔ پھر جب دوبارہ حج کو تشریف لے گئے تو حجازِ مقدس کے دونوں حرم اور اس کے علما و مفتیانِ عظام نے اعلیٰ حضرت سے بے حد عقیدت کا اظہار کیا۔ یہاں اختصار کے پیشِ نظر حضرت ابوالخیر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطیب مسجد الحرام مکہ معظمہ کے صرف ایک قطعہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

وإني وإن كنت إلا خير زمانه — لات بمالم تستطعه الأوائل
وليس على اللّٰہ بمستنكر — أن يجمع العالم في واحد (۲)

ترجمہ: دنیا میں اگرچہ میں آخری زمانے میں آیا ہوں، لیکن وہ کچھ لایا ہوں جو اگلوں کو بھی میسر نہ تھا۔

---

(۱) تذکرہ علماے ہند (مترجم)، ص:۱۱۱، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی

(۲) حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین، ۷۰، رضا اکیڈمی، ممبئی

خدا کی قدرتِ کاملہ سے بعید نہیں کہ وہ شخصِ واحد میں عالم کی تمام خوبیاں جمع کر دے۔ اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو پروفیسر محمد مسعود احمد کا مرتبہ مقالہ "فاضلِ بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" کا مطالعہ کیجیے۔

سینکڑوں غیر منقح مسائل کی تنقیح

صدیوں سے جو تنقیح طلب مسائل جوں کے توں چلے آرہے تھے تو ہر غیر منقح مسئلہ کو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے قلم نے منقح فرمایا مثلاً فقہائے کرام کی کتابوں میں مختلف عبارات مصرح تھیں کہ فتویٰ امامِ اعظم کے قول پر ہو یا صاحبین کے قول پر جب کہ بعض مسئلہ میں ہر دونوں کی صریحی اقوال پائے جائیں۔ متقدمین و متاخرین میں بعض فقہا، یہاں تک کہ امام شامی اور حضرت خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہما نے قول صاحبین کی ترجیح کی تصریح کی (۱)۔ اعلیٰ حضرت قدس

---

(۱) وتعقبه العلامة ش فی شرح عقوده بقوله لایخفی علیک مافی هذا الکلام من عدم الانتظام ولهذا اعترضه محشیه الخیر الرملی بأن قوله یجب علینا الإفتاء بقول الإمام وإن لم نعلم من أین قال مضاد لقول الإمام لا یحل لأحد أن یفتی بقولنا حتی یعلم من أین قلنا إذهو صریح فی عدم جواز الافتاء بغیر أهل الإجتهاد فکیف یستدل به علی وجوبه فنقول مایصدر من غیر الأهل لیس بإفتاء حقیقة وإنما هو حکایة عن المجتهد أنه قائل بکذا وإعتبار هذا الملحظ تجوز حکایة قول غیرالإمام فکیف یجب علینا الإفتاء بقول الإمام وإن أفتی المشائخ بخلافه ونحن إنما نحکی فتویٰهم لاغیر فلیتأمل. إنتهی.

ترجمہ: اس کلام بحر پر علامہ شامی نے شرح عقود میں یوں تنقید کی ہے اس کلام کی بے نظمی ناظرین پر مخفی نہیں۔ اسی لئے اس کے محشی خیر الدین رملی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ایک طرف ان کا کہنا یہ ہے کہ "ہمیں قول امام پر فتوٰی دینا واجب ہے اگرچہ اس قول کی دلیل اور ماخذ ہمارے علم میں نہ ہو" دوسری طرف

امام کا ارشاد یہ ہے کہ "کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا حلال نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہوجائے کہ ہم نے کہاں سے کہا۔" یہ دونوں میں تضاد ہے اس لئے کہ قول امام سے صراحۃً واضح ہے کہ اہلیت اجتہاد کے بغیر فتوٰی دینا جائز نہیں۔ پھر اس نے اس شرط کے بغیر وجوب افتاء پر استدلال کیسے ہوسکتا ہے؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ غیر اہل اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ حقیقۃً افتاء نہیں، وہ تو امام مجتہد سے صرف اس بات کی نقل و حکایت ہے کہ وہ اس حکم کے قائل ہیں جب حقیقت یہ ہے تو غیر امام کے قول کی نقل و حکایت بھی جائز ہے پھر ہم پر یہ واجب کیسے رہا کہ قول امام ہی پر فتوٰی دیں اگرچہ مشائخ نے اس کے بر خلاف فتوٰی دیا ہو، حالانکہ کہ ہم تو صرف فتوائے مشائخ کے ناقل ہیں اور کچھ نہیں یہاں تامل کی ضرورت ہے، انتہی، (کلام رملی ختم ہوا)

(وتوضيحه) أن المشائخ اطلعوا على دليل الإمام وعرفوا من أين قال واطلعو اعلى دليل أصحابه فيرجحون دليل أصحابه على دليله فيفتون به ولا يظن بهم أنهم عدلوا عن قوله لجهلهم بدليله فإنا نرٰهم قد شحنوا كتبهم بنصب الأدلة ثم يقولون الفتوى على قول أبى يوسف مثلا وحيث لم نكن أهلا للنظر فى الدليل ولم نصل إلى رتبتهم فى حصول شرائط التفريح والتاصيل فعلينا حكاية ما يقولونه لأنهم هم أتباع المذهب الذين نصبوا أنفسهم لتقريره وتحريره بإجتهادهم (وانظر) الى ما قدمناه من قول العلامة قاسم ان المجتهدين لم يفقدوا حتى نظروا فى المختلف ورجعوا وصححوا الى أن قال فعلينا إتباع الراجح والعمل به كمالو أفتوا فى خياتهم (وفى) فتاوى العلامة ابن الشلبى ليس للقاضى ولا للمفتى العدول عن قول الإمام إلا إذا صرح أحد من المشائخ بأن الفتوى على قول غيره فليس للقاضى أن يحكم بقول غير إبى حنيفة فى مسئلة لم يرجح فيها قول غيره ورجحوا فيها دليل إبى حنيفة على دليله فإن حكم فيها فحكمه غير ماض ليس له غير الإنتقاض إنتهى اه كلامه فى الرسالة.

قدس سرہٗ کے قلم میں جنبش ہوئی اور ایسے دلائل قائم فرمائے کہ جس سے سب کو ماننا پڑا کہ علی الاطلاق امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر فتویٰ ہوگا خواہ مشائخ تصریح بھی فرمائیں کہ " الفتویٰ علی قول الصاحبین "فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے، بلکہ واضح طور پر مدلل فرمایا کہ " يحل الإفتاء بقول الإمام بل يجب وإن لم نعلم من أين قال فينتج من هذا

ترجمہ: علامہ شامی فرماتے ہیں: اس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کو دلیل امام سے آگاہی حاصل ہوئی ،انھیں علم ہوا کہ امام نے کہاں سے فرمایا، ساتھ ہی اصحاب امام کی دلیل سے بھی وہ آگاہ ہوئے ،اس لیے وہ دلیل اصحاب کو دلیل امام پر ترجیح دیتے ہوئے فتوی دیتے ہیں۔ اور ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے قول امام سے انحراف اس لیے اختیار فرمایا کہ انھیں ان کی دلیل کا علم نہ تھا۔ اس لیے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرات مشائخ نے دلائل قائم کر کے اپنی کتابیں بھر دی ہیں اس کے بعد بھی یہ لکھتے ہیں کہ فتوی مثلا امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ نہ دلیل میں نظر کی اہلیت، نہ تاسیس اصول و تخریج فروع کی شرائط کے حصول میں رتبہ مشائخ تک رسائی، تو ہمارے ذمہ یہی ہے کہ حضرات مشائخ کے اقوال نقل کر دیں اس لیے کہ یہی حضرات مذہب کے ایسے متبع ہیں جنھوں نے اپنے اجتہاد کی قوت سے مذہب کی تقریر و تحریر (اثبات و توضیح) کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔ ملاحظہ ہو علامہ قاسم کی عبارت جو ہم پہلے پیش کر آئے ،وہ فرماتے ہیں: مجتہدین پیدا ہوتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے مقام اختلاف میں نظر فرما کر ترجیح و تصحیح کا کام سر انجام دیا تو ہمارے اوپر اسی کی پیروی اور اسی پر عمل لازم ہے جو راجح قرار پایا جیسے ان حضرات کے اپنی حیات میں فتوی دینے کی صورت میں ہوتا علامہ ابن شلبی کے فتاوی میں مرقوم ہے کہ: قاضی یا مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتوی امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے۔ تو قاضی کو امام کے سوا دوسرے کے قول پر کسی ایسے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں جس میں دوسرے کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور خود امام ابو حنیفہ کی دلیل کو دوسرے کی دلیل پر ترجیح ہو، اگر ایسے مسئلہ میں قاضی نے خلاف امام فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا بے ثباتی کی وجہ سے آپ ہی ختم ہو جائے گا۔ انتہی کلام ابن الشلبی اھ رسالہ شامی کی عبارت ختم ہوئی

أنه يجب علينا الإفتاء بقول الإمام وإن أفتى المشائخ بخلافه".

ترجمہ: تو امام کے قول پر فتوٰی حلال ہے بلکہ واجب ہے خواہ یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے کہاں سے یہ قول لیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم پر قول امام پر فتوٰی دینا واجب ہے خواہ یہ قولِ مشائخ کے خلاف ہو۔

پھر امام شامی وخیر الدین رملی کے اعتراضات اور جن مشائخ نے اختلاف کیا اس کی ایسی بہترین توجیہ پیش کی کہ بزرگوں کے ادب [1] کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور مسئلہ کی حقیقت

---

(۱) هـذه نصوص العلماء رحمهم الله تعالى و رحمنابهم وهى كما ترى كلها موافقة لما فى البحر ولم يتعقبه فيما علمت الا عالمان متأخران كل منهما عاب وأب وانكر و اقرو فارق و رافق وخالف و وافق وهما العلامة خير الرملى والسيد الشامى رحمهما الله تعالى ولا عبرة بقولٍ مضطرب وقد علمت ان لا نزاع فى سبع صور انما ورد خلاف ضعيف فى الثامن وهى ما اذا خالفه صاحباه متوافقين على قول واحد ولم يتفق المرجحون على ترجيح شيئ منهما فعند ذاک جاء قيل ضعيف مجهول القائل بل مشكوک الثبوت" ان المقلد يتبع ماشاء منهما" والصحيح المشهور المعتمد المنصور انه لايتبع الاقول الامام والقولان كما ترى مطلقان مرسلا ن لانظر فى شيئ منهما لترجيح او عدمه.

ترجمہ: یہ ہیں علماء کے نصوص اور ان کی تصریحات اللہ تعالی ان پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے طفیل ہم پر بھی رحمت فرمائے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ تمام نصوص کلام بحر کے موافق ہیں اور میرے علم میں کسی نے بھی اس پر کوئی تعاقب نہ کیا سوا دو متاخر عالموں کے، دونوں حضرات میں سے ہر ایک نے عیب بھی لگایا اور رجوع بھی کیا، انکار بھی کیا اور اقرار بھی، مفارقت بھی کی اور مرافقت بھی مخالفت بھی اور موافقت بھی یہ ہیں علامہ خیر الدین رملی اور سید امین الدین شامی رحمہا اللہ تعالی، اور کسی مضطرب کلام کا یوں ہی کوئی اعتبار

بھی واضح فرمادی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ جلد اول، صفحہ ۳۸۱ تا ۴۰۷ میں یہ بحث پھیلائی ہے کہ جس کے پڑھنے سے فقہ حنفی کی صحیح تصویر ذہن میں اترتی ہے اور اعلیٰ حضرت کو وقت کا مجدد ماننا پڑتا ہے۔

آبِ مطلق و مقید

مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے آبِ مطلق وآبِ مقید کے متعلق سوال ہوا توآپ نے اس کے جواب میں قلم اُٹھایا، حمد و صلوٰۃ لکھ کر فرمایا کہ یہ سوال بظاہر چھوٹا اور اس کا جواب بہت طول چاہتا ہے۔ یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآرا ہے۔اس کے حل میں پہلے اعلیٰ حضرت نے جزئیات بیان فرمائے، پھر مطلق و مقید کی تعریف تحریر فرمائی، اس کے بعد متون کے ضوابط جزئیہ لکھے، پھر متاخرین کے ضوابط کُلیہ تحریر فرمائے، پھر جزئیاتِ جدیدہ کے احکام تفصیلی طور پر بیان فرمائے۔ قلم کو روکتے روکتے فتاویٰ رضویہ کے جہازی سائز پر ایک سو پینتالیس (۱۴۵) صفحات کا رسالہ تیار فرمایا جس کا نام "النور و النورق لإسفار الماء المطلق"[۱] (آبِ مطلق کا حکم روشن کرنے کے لئے نور اور رونق) ہے۔

نہیں۔ یہ بھی معلوم ہو چکا کہ اس مسئلہ کی سات صورتوں میں کوئی نزاع نہیں، ایک ضعیف اختلاف صرف آٹھویں صورت میں آیا ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ صاحبین باہم ایک قول پر متفق ہوتے ہوئے امام کے خلاف ہوں اور مرجحین دونوں قولوں میں سے کسی کی ترجیح پر متفق نہ ہوں، بس اسی صورت میں ایک ضعیف قول آیا ہے جس کے قائل کا پتا نہیں، بلکہ اس کے وجود میں بھی شبہ ہے، وہ قول یہ ہے کہ مقلد دونوں میں سے جس کی چاہے پیروی کرے، صحیح مشہور معتمد منصور قول یہ ہے کہ مقلد قول امام کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے، یہ دونوں قول جیسا کہ آپ کے سامنے ہے، مطلق اور ہر طرح کی قید سے آزاد ہیں۔ کسی میں ترجیح یا عدم ترجیح کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے (ضعیف میں مطلقاً اختیار دیا گیا ہے اور صحیح میں مطلقاً پابند امام رکھا گیا ہے)

(۱) امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کا تحقیقی رسالہ "النور و النورق لأسفار الماء المطلق" ۱۳۳۴ھ

مسائل مفتی بہا

کتبِ فقہ کے مطالعہ سے درجنوں ائمہ کرام کے اقوال، دلائلِ قاطعہ و براہینِ ساطعہ کے ساتھ بادہِ نواز ہوتے ہیں اور وہ اقوال ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ عام عالمِ دین اور فقیہ کی تو بات ہی کیا، بڑے سے بڑے مفتی کا دماغ چکرا جاتا ہے کہ اقوال میں مفتی بہ کون سا قول ہے؟ اس قسم کے ایک نہیں ہزاروں مسائل میں پیچیدگیاں تھیں، ان پیچیدگیوں کو حل فرمایا تو ہمارے ممدوح بلکہ عرب و عجم کے مجددِ برحق امام احمد رضا بریلوی نے، یہ ہماری عقیدت

میں معرض تحریر میں آیا، اس کے ضمن میں مزید دو رسالے ہیں۔(۱) عطاء النبي لإفاضة أحكام ماء الصبي (۲) الدقة و التبيان لعلم السيلان.

رسالہ النور و النورق چھ فصلوں پر مشتمل ہے:

فصل اول میں آب کی تین قسمیں کی گئی ہیں: (۱) قابل وضو آب (۲) ناقابل وضو آب (۳) قابل وضو اور ناقابل وضو میں مختلف فیہ آب۔

فصل دوم آب مطلق و مقید کی تعریف، تنقید و تجزیہ اور اضافات پر مشتمل ہے۔ کل ۱۳ تعریفیں بیان کی گئی، مختلف کتب فقہ سے بارہ تعریفات پیش کیں اور ان پر نقض و منع اور معارضہ بھی پیش کیا پھر کسی بھی طرح کے اعتراض سے پاک تیرہویں تعریف رقم فرمائی جسے "تعریف رضوی" کہا جاسکتا ہے۔ وہ تعریف یہ ہے:

"مطلق: وہ پانی کہ اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہے اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شے مخلوط و ممتزج نہیں جو اس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہے نہ ایسی جو اس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شے کسی جدا مقصد کے لئے کہلائے"۔

فصل سوم ضوابط جزئیہ کے بیان میں ہے، جس میں ۸ر مسائل اجماعیہ، ۲ر ضابطے، ۱۰ر بحثیں اور ۲۰ر فوائد مذکور ہیں۔

فصل چہارم ضوابط کلیہ کے بیان میں ہے، جس میں صاحبین، علامہ برجندی، امام زیلعی، امام نسفی اور پھر امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ ضابطہ ہے جسے رضوی ضابطہ کہا جاسکتا ہے۔

فصل پنجم جدید جزئیات پر مشتمل ہے، جس میں پانی کے ۳۰۴ر جدید اقسام بیان کیے گئے ہیں۔

فصل ششم سات فوائد پر مشتمل ہے۔

پر مبنی نہیں بلکہ ہر مکتبہ فکر کو فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کی دعوت پیش ہے، وہ اس کی تمام جلدوں کی نہ سہی صرف جلد اوّل کو بغائر نظر مطالعہ فرمائے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ثم ان شاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ازروے انصاف اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا؛ کیوں کہ فقہ حنفی کے مفتیٰ بہ مسائل (بکثرت) صرف فتاویٰ رضویہ میں ملتے ہیں جو ہزاروں کتابوں کی ورق گردانی پر سمجھ نہ آئیں مثلاً بحثِ تیمم [1] میں ہم فقہ کی تمام کتابوں میں صرف یہ دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ پانی سے

---

(۱) امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے " حسن التعمّم لبيان حد التيمم "۱۳۲۵ھ میں پہلے تیمم کی ۷ر تعریفات وماہیات شرعیہ ذکر کیں، پھر پانی سے عجز کی ترتیب وار ۱۷۵ ر صورتیں بیان فرمائیں، جو دیگر کتُبِ فقہ میں ۴۰ یا ۵۰ سے زائد نہ ملیں گی، نیز کتُبِ فقہ سے تقریباً ۷۴ ر اشیا کے نام باحوالہ ذکر فرمایا، جن سے تیمم جائز ہے، بعدہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خداداد فقاہت، دقتِ نظر اور وسعتِ علم کی بدولت اس میں ۱۰۷ ر اشیا کا خود سے اضافہ فرمایا۔ اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کتُبِ فقہ سے ۵۸ ر اشیا جن سے تیمم جائز نہیں، کا ذکر بحوالہ فرمانے کے بعد ۷۲ ر اشیا کا اضافہ فرمایا۔

اب مذکورہ رسالے کے حوالے سے مصنف کے اختتامیہ الفاظ نقل کرتے ہیں، جس میں اس رسالے کا مختصر تعارف بھی ہے:

" الحمد للہ کتاب مستطاب حسن التعمّم لبيان حد التيمم مسودہ فقیر سے اٹھارہ ۱۸ ر جزء سے زائد میں باحسن وجوہ تمام ہوئی، جس میں صدہا وہ ابحاثِ جلیلہ ہیں کہ قطعاً طاقتِ فقیر سے بدر جہا وراہیں مگر فیض قدیر عاجز فقیر سے وہ کام لے لیتا ہے جسے دیکھ کر انصاف والی نگاہیں کہ حسد سے پاک ہوں ناخواستہ کہہ اٹھیں ع:

کم ترک الأول للآخر (اگلے پچھلوں کے لئے کتنا چھوڑ گئے۔)

کتنے مسائل جلیلہ معرکۃ الآرا بحمدہٖ تعالیٰ کیسی خُوبی وخوش اسلوبی سے طے ہوئے وللہ الحمد کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ آٹھ ۸ ر رسائل ہیں:

(۱) سمح الندرٰى فيما يورث العجز عن الماء (۱۳۳۵ھ)۔ کہ وقتِ طبع حاشیہ پر اس ع۔ھ کا نام لکھنا رہ گیا۔

(۲) الظفر لقول زفر (۱۳۳۵ھ)۔

عجز کی حالت میں تیمم جائز ہوتا ہے لیکن یہ کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ عجز کی کتنی صورتیں ہیں۔ کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر کہ آپ نے عالم اسلام کے فقہا کی تصانیف کا خلاصہ بیان کر دیا کہ عجز کی پونے دو سو صورتیں ہیں پھر ان سب کو علاحدہ علاحدہ بیان فرمایا جس کا جی چاہے فتاویٰ رضویہ شریف جلد اوّل کو ملاحظہ فرمائے اور یہ نہیں کہ آپ نے صرف خانہ پری کے طور پر عجز کی صورتوں پر صرف ہندسے لگا دیے ہوں بلکہ فقہائے کرام کی آراء اور ان کا اختلاف بھی بیان فرمایا اور پھر مروّجہ اقوال کی تردید اور راجح قول کی ایسی بہتر توجیہ فرمائی کہ خود تحقیق نے آپ کے قلم کو چوم لیا ہوگا۔

عجز و نیاز کا پیکر

اعلیٰ حضرت کی مذکورہ تحقیق پڑھ کر آپ کی شانِ مجددی کا پتہ چلتا ہے لیکن قربان

---

(۳) المطر السعید علی نبت جنس الصعید (۱۳۳۵ھ)۔

(۴) الجد السدید فی نفی الاستعمال عن الصعید (۱۳۳۵ھ)۔

یہ چار ضمنیہ ہیں:

(۵) باب العقائد والکلام (۱۳۳۵ھ)۔

(۶) قوانین العلماء فی متیمم علم عند زید ماء (۱۳۳۵ھ)۔

(۷) الطلبة البدیعة فی قول صدر الشریعة (۱۳۳۵ھ)۔

(۸) مجلی الشمعة لجامع حدث ولمعة (۱۳۳۵ھ)۔

یہ چار ملحقہ ہیں سوال و شروع جواب ۱۳۲۵ھ میں ہے لہٰذا نام کتاب میں یہی عدد ہیں پھر بحمدہ تعالیٰ اس مقام کے طبع کے وقت کے اوائل ماہ رمضان مبارک ۱۳۳۵ھ سے ہے یہ رسائل اور ان کے ساتھ اور مضامین کثیرہ اضافہ ہوئے مجموع کی تصنیف بحمدہ تعالیٰ ساڑھے پانچ مہینے میں ہے جن میں دو ۲ دن کم تین مہینے علالتِ شدیدہ و نقاہتِ مدیدہ کے ہیں جس کا بقیہ اب تک ہے لہٰذا رسالہ اخیرہ اوائل ۱۳۳۶ھ میں آیا جیسا کہ اس کے نام نے ظاہر کیا بہر حال جو کچھ ہے میری قدرت سے ورا اور محض فضل میرے رب کریم پھر میرے نبی رؤف رحیم کا ہے جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۳۱۹، ۳۲۰)

جاؤں اعلیٰ حضرت کی شانِ عاجزی پر کہ اتنی بہترین تحقیق کو سپردِ قلم فرمانے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں: "الحمد اللہ یہ پانی سے عجز کے پونے دو سو صورتیں اس رسالہ کے خواص سے ہیں کہ اس کے غیر میں نہ ملیں گی اگرچہ جو کچھ ہے علماے کرام ہی کا فیض ہے ع:

اے بادصبا ایں ہمہ آوردہ تست (اے بادصبا! یہ سب تیرا ہی لایا ہوا ہے۔") (۱)

اسے کہتے ہیں فقاہت لیکن افسوس کہ آج کل بعض خدا کے بندے ایسے بھی ہیں کہ اسلاف کا خلاف کر کے اپنی انا پر اِترائے ہوئے ہیں بلکہ "ہم چوں دیگرے نیست" کے مرض میں مبتلا ہو کر اسلاف کی تحقیق کو رڈی کی ٹوکری میں پھینکنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

نمونہ تحقیق رضوی

اگرچہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اپنے ہر کمال کو اسلاف صالحین کا فیضان بتاتے ہیں لیکن کمال کا حال ملاحظہ ہو کہ اسلاف صالحین جہاں تک اپنی فقاہت کی منزل متعین کر گئے کہ اس کے آگے فرسِ تحقیق لنگ ہے لیکن اعلیٰ حضرت نے اس کے آگے فرسِ تحقیق کو کوسوں بڑھا کر پھر بھی یہی فرمایا کہ یہ بھی اسلاف کا فیض ہے مثلاً فقہاے کرام نے بمذہب امام ابوحنیفہ جس قسم کی مٹی سے تیمم جائز ہے صرف ۷۴ بتائیں لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس سے آگے بڑھ کر ۱۰۷ بتائیں۔ فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل صفحہ ۴۹۹ ملاحظہ ہو

اس طرح فقہاے کرام نے جس مٹی کی قسم سے تیمم ناجائز ہے کُل ۵۸ قسمیں بتائیں، اعلیٰ حضرت نے ان کو آگے بڑھا کر ۱۳۰ قسمیں بتائیں یعنی ۱۵۸ اسلاف کی بتائی ہوئی صورتیں ہیں تو ۲۷ صورتیں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی مرہونِ منت ہیں۔

تطفلات اعلیٰ حضرت کے نمونے

تطفل ۱: فتاویٰ رضویہ جلد اوّل میں فرض واعتقادی و عملی اور واجب اعتقادی و عملی کی تعریف میں

---

(۱) فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۲

اسلاف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی نقول (پیش) کرنے کے بعد اقول کے عنوان سے (تحریر فرماتے ہیں)
:

" أقول: وزدت هذا لأن قولهم : مايفوت بفوته الجواز المراد فيه بالجواز الصحة لاالحل لفوته بفوت كل واجب ولو عمليا والشيئ قد يكون فرضا برأسه وفوات الصحة إنما كان يشمل الأول فزدت الأخر وفسرته بمامر لإخراج الواجب العملي فافهم.

ترجمہ: اقول (میں کہتا ہوں): یہ اضافہ میں نے اس لیے کیا کہ علما کے قول " فرض وہ ہے جس کے نہ ہونے سے جواز نہ ہو" میں جواز سے مراد صحت ہے حلت نہیں کیوں کہ حلت تو کسی بھی واجب کے فقدان سے مفقود ہو جاتی ہے خواہ واجب عملی ہی ہو، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ عمل خود مستقلاً فرض ہو جاتا ہے اور یہ کہنا کہ جس کے نہ ہونے سے عمل کی صحت نہ ہو صرف اس فرض کو شامل ہے جو دوسرے عمل میں فرض ہو، اس لیے میں نے " برأت ذمہ " کا اضافہ کیا (تاکہ فرض مستقل بھی تعریف میں داخل ہو جائے) اور اس کی تفسیر " عدم بقاے اشتغال " سے کی تاکہ واجب عملی اس تعریف سے نکل جائے۔ تو اسے سمجھیے۔

"تطفل على الكافي وغيره كثير من المعتبرات."(١)

یہ الکافی (فقہ کی نہایت معتبر و مستند کتاب) اور اس کے علاوہ بہت سی معتبر کتب فقہ پر تطفل ہے۔

تطفل ۲ : ایسے ہی صفحہ ۱۲ پر صاحب بحر الرائق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر فقہاے کرام پر تطفل (۲)

---

(١) فتاوی رضویہ، ج:١، ص:٢٤٦، ٢٤٥-رسالہ " اَلْجُوْدُ الْحُلُوُّ فِیْ اَرْکَانِ الْوُضُوْءِ ۱۳۲۴ھ "

(١) امام احمد رضا نے بحر اور طحطاوی کی عبارات نقل فرمائیں، اس کے بعد تطفلاً ارشاد فرماتے ہیں:

" اقول ; هذا مستفاد من البحر ايضا لقوله والفارق بين الظنى القوى المثبت للواجب فوصف الاول بالقوى دون الأخر ولم يرد ان الدليلين لايكون الاعلى حد سواء فى القوة ثم يظهرافادة الافتراض بخصوص المقام واى خصوص

اور صفحہ ۱۳ پر نہر الفائق و طحطاوی ورد المحتار و دیگر کثیر فقہا رحمۃ اللہ علیہم پر پُر لطف تطفل، (۱) اعلیٰ حضرت

یفیده بعد مالم یظهر فی الدلیل قوة فوق مایفید الوجوب وانما اراد ان بخصوص المقام وحفوف القرائن وامور تظهر للمجتهد یتقوی الظنی قوة تکاد تبلغه درجة القطعی فهذا الدلیل الاقوی یثبت الفرض العملی هذا تقریر کلامه.

ترجمہ: اقول: (میں کہتا ہوں) یہ بھی بحر ہی سے ہی سے مستفاد ہے، اس لئے کہ اس میں لکھا ہے: "فرض کو ثابت کرنے والی دلیل ظنی قوی اور واجب کو ثابت کرنے والی دلیل ظنی میں فرق خصوصیتِ مقام سے ہوتا ہے" تو اوّل کو قوی سے موصوف کیا اور دوم کو نہ کیا. اور ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قوت میں دونوں دلیلیں بالکل برابر ہوں گی پھر مقام کی خصوصیت سے فرضیت مستفاد ہوگی. جب دلیل میں افادہ وجوب کرنے والی دلیل سے زیادہ کوئی قوت ہی نہ ہو تو پھر کون سی خصوصیت رہ جاتی ہے جس سے فرضیت مستفاد ہو ان کی مراد یہی ہے کہ مقام کی خصوصیت، قرائن کے ہجوم اور مجتہد پر منکشف ہونے والے امور سے دلیل ظنی کو ایسی قوت مل جاتی ہے کہ وہ تقریباً قطعی کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے. اسی قوی تر دلیل سے فرض عملی کا ثبوت ہوتا ہے۔ یہ کلام بحر کی تقریر ہوئی." (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۲۴۸- رسالہ " اَلْجُوْدُ الْحُلُوُّ فِیْ اَرْکَانِ الْوُضُوْءِ ۱۳۲۴ھ")

(۱) ازراہ تطفل ارشاد ہے:

" اقول: هذا الکلام کله مذکور فی الطحطاوی عن النهر بمحصله سوی ما افاد بقوله بل قد یصل الخ وهو کلام کاف من ابداء الفرق فی الفرض والواجب العملیین وصدره وانکان علی سنن ما قاله البحر حیث قال قریبا من القطعی فآخره وذکر حدیث عرفة ناظر الی التحقیق الذی نحوت الیه وبالله التوفیق.

اقول: اس پورے کلام کا مضمون اور حاصل حاشیہ طحطاوی میں النہر الفائق کے حوالے سے مذکور ہے سوا اس مضمون کے جو آخر میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ "بلکہ مجتہد کے نزدیک کبھی خبر واحد بھی قطعی کی

حد تک پہنچ جاتی ہے" الخ۔ یہ کلام فرضِ عملی اور واجبِ عملی کے فرق کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ اور اس کا ابتدائی حصہ اگرچہ کلامِ بحر ہی کے طرز پر ہے کہ یہ کہا کہ "مجتہد کے نزدیک کبھی دلیل ظنی قطعی کے قریب" پہنچ جاتی ہے مگر آخری حصہ اور حدیث عرفہ کا تذکرہ اسی تحقیق کی طرف ناظر ہے جو میں نے اختیار کی۔ اور توفیق خدا ہی کی جانب سے ہے۔

لکن فی مطاویه ابحاث طوال یخرج الا ستر سال فیه عن قصدالمقال بیدانه لاینبغی اخلاء المقام عن افادة ان ماذ کر تبعا للطحطاوی والنهر و کثیرین من الفارق بین الوجوب وبین السنیة والاستحباب من ان ثبوت الاول بما فیه ظنیة فی احد طرفی الثبوت والاثبات والاخرین بما فیه ظنیة فی کلیهما غیر مسلم ولا صواب کیف وحفوف الظن بکلا الطرفین لاینزل الطلب عن المظنونیة والرجحان وهو ملاک امر الوجوب لاغیر وانما الفرق بین الفریقین بنفس الطلب فقد یکون حتمیا ویفیدا الوجوب عندالظنیة ثبوتا اواثباتا اومعاوقد یکون ندبیا ترغیبیا فیفید السنیة اوالاستحباب ولو کان قطعیا یقینیا ثبوتا واثباتا فان القطع انما حصل علی الترغیب والارشاد دون الطلب الحازم من غیران یبقی فیه للمکلف خیار وهذا ظاهر جدا هذا ما ظهر للعبد الضعیف.

لیکن اس کلام کی تہ میں کچھ ایسی لمبی بحثیں ہیں جن میں عنانِ قلم کو آزادی ملے تو ہم اصل مقصود سے دور نکل جائیں مگر اس جگہ کم از کم اتنا بتادینا نامناسب نہ ہوگا کہ علامہ شامی نے طحطاوی اور صاحبِ نہر کی تبعیت میں وجوب کے درمیان اور سنیت واستحباب کے درمیان جو فرق ذکر کیا ہے کہ وجوب کا ثبوت ایسی دلیل سے ہوتا ہے جس کے ثبوت یا اثبات کسی ایک میں ظنیت ہو اور سنیت واستحباب کا ثبوت ایسی دلیل سے ہوتا ہے جس کے ثبوت اور اثبات دونوں میں ظنیت ہو، یہ فرق نہ تو قابل تسلیم ہے نہ بجائے خود صحیح و درست ہے اور یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ ثبوت و اثبات دونوں کو اگر ظن نے احاطہ کر رکھا ہے تو اس کی وجہ سے طلب (بجاآوری کا مطالبہ) تو مظنونیت اور رجحان کے درجہ سے فروتر نہیں ہوجاتی۔ اور وجوب کا مدار اسی پر ہے کسی اور پر نہیں۔ دونوں فریقوں (ایک واجب اور دوسرا سنیت واستحباب) میں فرق صرف "طلب" سے

کی فقاہت کا غلبہ لیکن اسلاف کے ادب و تعظیم کا محبوب طریقہ رضویت کی مجددیت کا بہترین نمونہ ہے۔

تطفل ۳: صاحبِ فتح القدیر فقہائے کرام میں محقق علی الاطلاق کے لقب سے مشہور ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی ان کی تحقیق پر تطفل نہایت ہی قابلِ تحسین و آفرین ہے، ملاحظہ ہو:

وضو میں واجب عملی کے حوالے سے صاحبِ فتح القدیر کی تحقیق (۱) بھی دیکھیں اور اعلیٰ

ہوتا ہے۔ طلب کبھی حتمی ہوتی ہے اور وجوب کا افادہ کرتی ہے اگر ثبوت یا اثبات دونوں ظنی ہوں اور کبھی ندبی اور ترغیبی ہوتی ہے تو سنیت یا استحباب کا افادہ کرتی ہے اگرچہ ثبوت اور اثبات دونوں میں قطعی و یقینی ہوں۔ اس لئے کہ قطعیت ترغیب وارشاد ہی سے متعلق حاصل ہوئی ہے۔ طلب جزمی سے متعلق نہیں کہ اس میں مکلف کے لئے کوئی اختیار باقی نہ رہ جائے۔ اور یہ بہت واضح ہے۔ یہ بندہ ضعیف پر ظاہر ہوا۔ "(ایضا، ص: ۲۵۳،۲۵۴)

(۱) رہا واجب عملی، وہ وضو میں کوئی نہیں، بحر الرائق سے گزرا " **اتفق الاصحاب انه لاواجب فی الوضوء.** " (ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ وضو میں کوئی واجب نہیں۔ت)

در مختار میں ہے" **افاد انه لاواجب للوضوء ولا للغسل.** " (وضو وغسل میں ارکان کے بعد واجب چھوڑ کر سنتوں کا ذکر لا کر یہ افادہ فرمایا کہ وضو وغسل میں کوئی واجب نہیں۔ت)

اسی طرح کتب کثیرہ میں ہے اور خود بعد نقل اتفاق اصحاب کیا حاجت اطناب واسہاب مگر محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اپنی بحث سے وضو کیلئے بسم اللہ وذکر الٰہی سے ابتدا کرنا برخلاف مذہب واجب ٹھہرایا اور اس مسئلہ متفق علیہا کے جواب میں فرمایا: **ماقیل انه لامدخل للوجوب فی الوضوء لانه شرط تابع فلوقلنا بالوجوب فیه لساوی التبع الاصل غیر لازم اذا شتراکهما بثبوت الواجب فیهما لایقتضیه لثبوت عدم المساواة بوجه اٰخرنحو انه لایلزم بالنذر بخلاف الصلاة مع انه لامانع من الحکم بان واجبه احط رتبة من واجب الصلاة کفرضه بالنسبة الی فرضها. اه کلامه الشریف.**

ترجمہ: کہا گیا کہ وضو میں ثبوت واجب کا کوئی دخل نہیں اس لئے کہ وضو نماز کی ایک شرط تابع ہے

اور اعلیٰ حضرت کا تطفل [1] بھی، پھر اندازہ لگائیں کہ اس ضمن میں اثبات الغرض وغیرہ میں جو

اگر اس میں بھی ہم وجوب کے قائل ہوں تو تابع واصل میں برابری ہو جائے گی، مگر ہم کہتے ہیں کہ برابر ہونا لازم نہ آئے گا اس لئے کہ اگر نماز و وضو دونوں میں واجب کا ثبوت ہو تو اس کا مقتضا یہ نہیں کہ دونوں میں مساوات ہو کیوں کہ عدم مساوات دوسرے طریقہ سے ثابت ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ نذر ماننے سے وضو لازم نہیں اور نماز لازم ہے اور برابری دفع کرنے کے لئے یہ حکم بھی کیا جا سکتا ہے کہ واجب وضو، واجب نماز سے کم رتبہ ہوگا جیسے فرض وضو، فرض نماز سے کم رتبہ ہے اھ ان کا کلام ختم ہوا۔(فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۲۹۴،۲۹۳)

(۲) اقول: لم یأت المستدل بشیئ حتی سمع ماسمع واذا لم یمنع تبعیة الوضوء ثبوت الفرائض فیه فلم یمنع ثبوت الواجبات والرواتب توابع للفرائض انما شرعت مکملات لامحصلات لها فلیست فی مرتبة الوضوء ایضا ثم لا یقعدها ذلک عن ان یکون لها کل من الفروض والواجبات والسنن والمستحبات کما للاصول۔ولم نعن ان الوضوء لایستاهل فی نفسه ان یکون له واجب حتی نحتاج الٰی ماذکر المستدل وانما عنینا ان لیس فی مذهبنا واجب فی الوضوء لایجوز ترکه ویصح بدونه وهذا ظاهر لایفتاق الی اظهار وثابت لایصلح للانکار.

ترجمہ: اقول: مستدل نے کوئی مضبوط بات نہ کی جس کے نتیجے میں اسے یہ سب سننا پڑا۔ مزید ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جب وضو کا تابع نماز ہونا وضو میں فرائض کے ثبوت سے مانع نہ ہوا تو واجبات ثابت ہونے سے مانع کیوں ہوگا؟ سنن رواتب، فرائض کے تابع ہیں، وہ فرائض کو حاصل کرانے والی اور ان کے وجود وثبوت کا ذریعہ بھی نہیں صرف ان کی تکمیل کرنے والی ہو کر مشروع ہوئی ہیں تو یہ وضو کے درجہ میں بھی نہیں مگر ان کی یہ تبعیت اس سے مانع نہ ہوئی کہ ان میں بھی فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات ہوں جیسے ان کی اصل یعنی فرائض میں ہیں "وضو میں کوئی واجب نہیں" سے یہ مراد نہیں کہ وضو اس قابل نہیں کہ اس کے اندر کوئی واجب ہو اور ہمیں وہ بات کہنے کی ضرورت ہو جو مستدل نے ذکر کی، اس سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں وضو کا کوئی واجب نہیں، جس کا ترک جائز نہ ہو اور جس کے بغیر نفس وضو کی صحت حاصل

نوادرات تحریر فرمائیں یہ اپنے زمانہ کا نائب امام ابو حنیفہ نہیں تو اور کیا ہے۔
تطفل ۴: حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ائمہ اربعہ کے اقوال کی تطبیق میں نہایت محنت سے کام کیا ہے۔ ان سے تطفل فرمایا کہ چوں کہ آپ شافعی المذہب ہیں اور آپ نے فقہ حنفی کے متعلق تساہل فرمایا اسی لیے معذور ہیں کیوں کہ ہم حنفی ہی اپنے متعلق خوب جانتے ہیں[1] چناں

ہو جائے اور یہ بالکل واضح ہو جس کے اظہار کی ضرورت نہیں، اور ثابت ہے جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ اور مسئلہ تسمیہ اولاً تنہا محقق کی اپنی بحث ہے کہ نہ ائمہ مذہب سے منقول نہ محققین مابعد میں مقبول، خود ان کے تلمیذ علاّمہ قاسم بن قطلوبغا نے ف فرمایا: ہمارے شیخ کی جو بحثیں خلافِ مذہب ہیں اُن کا اعتبار نہ ہوگا۔ (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۲۹۴، ۲۹۵)

(۱) امام احمد رضا نے وضو کے ارکان اعتقادیہ کے بیان میں منہ دھونے میں دس مستثنیات شمار فرمائے۔ ان میں کنپٹیوں کو بھی ذکر فرمایا، چناں چہ آپ نے فرمایا: "کنپٹیاں کہ جب داڑھی کے بال ہوں تو امام ابو یوسف سے ایک روایت آئی کہ ان کا دھونا ضرور نہیں۔"

اس کے بعد امام ابو یوسف سے آئی روایت کی مراد بیان فرمائی، بعدہ امام شعرانی کا قول ذکر فرمایا اور ان کے قول میں در آئے سقم اور اس کی وجہ تحریر فرمائی، فتاوی رضویہ میں ہے: " اور امام دار الہجرہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہوا کہ ان کا دھونا مطلقاً ضرور نہیں، میزان الشریعۃ الکبری للعارف الربانی سیدی عبد الوھاب الشعرانی میں ہے: **قول الائمة الثلثة ان البياض الذى بين الشعرا لاذن واللحية من الوجه مع قول مالک وابی یوسف انه ليس من الوجه فلايجب غسله مع الوجه فى الوضوء.**

ترجمہ: تینوں ائمہ کا قول یہ ہے کہ جو سپیدی کان اور داڑھی کے درمیان ہے وہ چہرے میں شامل ہے، اور امام مالک و امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ وہ چہرے میں نہیں ہے تو وضو میں اسے دھونا واجب نہیں۔

اقول: اما ابو یوسف فقد علمت ان قوله كقول الجمهور والرواية نادرة عنه ايضا مفصلة لامرسلة واهل البيت ادرى بما فى البيت واما مالک فالذى رأيته

چہ ان کے سامنے معذرت کے الفاظ ملاحظہ ہوں " واهل البيت ادری بما فی البيت "گھر والے گھر کی چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تطفل ۵ : صفحہ ۲۴، ۲۵ پر غنیہ، دُرّ وغیرہما اور فتح القدیر اور جن کتب سے فتح القدیر نے نقل کیا سب پر تطفل [1] کا بہترین سلسلہ قابلِ مطالعہ ہے۔

تطفل ۶ : کبھی تطفل کا سلسلہ ایک سے زائد درجنوں تک پہنچ جاتا ہے مثلاً حضرت علامہ ابن نجیم صاحب بحرالرائق کے سامنے تطفل۔ امام ہمام کے بارے میں لکھا (جب ان سے یہ تساہل ہوا) کہ ان کی طرف ایک غیر تحقیقی قول منسوب فرمایا تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلم نے پُرزور

من كتب مذهبه فی شرح المقدمة العشما وية لابن تركی ان الوجه حده طولا من منابت شعرالراس المعتاد الی اٰخراللقن وحده عرضا من الاذن الی الاذن اه.

وفی حاشية للسفطی مابين العذارين والاذن وهو البياض الذی تحت الوتد (ای وتد الاذن) اوالمسامت له يجب غسله لانه من الوجه اه فالله تعالٰی اعلم.

ترجمہ: اقول: امام ابویوسف سے متعلق تو واضح ہو چکا کہ ان کا قول۔ قول جمہور کے مطابق ہے۔ اور ان سے جو روایت نادرہ آئی ہے اس میں بھی تفصیل ہے، اطلاق نہیں اور اہل خانہ کو اشیائے خانہ کا زیادہ علم ہوتا ہے۔ اب رہا امام مالک کا قول تو ان کے مذہب کی کتابوں میں سے ابن ترکی کی شرح مقدمہ عشماویہ میں جو حکم میں نے دیکھا وہ یہ ہے کہ طول میں چہرے کی حد عادۃً سر کے بال اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے آخری حصہ تک ہے اور عرض میں اس کی حد ایک کان سے دوسرے کان تک ہے اھ۔ اس شرح کے حاشیہ سفطی میں ہے کہ جو حصہ دونوں رخساروں اور کان کے درمیان ہے یعنی وہ سپیدی جو جان کی ابھری ہوئی لو کے نیچے یا اس کی سمت مقابل میں ہوتی ہے، اسے دھونا واجب ہے اس لئے کہ وہ چہرے میں شامل ہے اھ۔ تو خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۲۶۸)

(۱) اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۰ کا حاشیہ دیکھیے

الفاظ میں امام ابن ہمام کی طرف داری میں لکھا(۲۹۷)

تطفل: (۱) العجب کل العجب الخ(۱) (۲) ثم اَشَدُّ العَجَبِ عَلَى العَجَبِ الخ(۱)۔

---

(۲) ثم اقول: العجب کل العجب من المحقق صاحب البحر کیف نسب ھھنا الی المحقق مالم یقلہ ولم یردہ فانہ رحمہ اللّٰہ تعالٰی انما نفی ھھنا عن خبر التسمیۃ الظنیۃ بمعنی الاشتراک اعنی تساوی الاحتمالین کما یتساوی معنیا المشترک مالم تقم علی احدھما قرینۃ ولم یقل مکان قولہ مشترکھا، مشکوکھا اذلا شک فی الدلالۃ انما الشک فی تعیین المدلول ولم یعترف بھذا فی شروط الصلٰوۃ انما اعترف بقیام الاحتمال ولم ینکرہ ھھنا بل قدصرح بہ حیث قال نفی الکمال فیھما احتمال یقابلہ الظھور اھ ولاجل کونہ مرجوحاً لم یستنزل الحدیث عن افادۃ الوجوب کما قدمنا نقل کلامہ وھو بمرأی منک فلاتعارض بین کلامیہ اصلاً وباللّٰہ التوفیق۔

ثم اقول: سخت تعجب محقق صاحب بحر پر ہے کہ انہوں نے یہاں محقق علی الاطلاق کی جانب ایک ایسی بات کیسے منسوب کردی جو نہ انہوں نے کہی، نہ ہی وہ ان کا مقصود ہے اس لئے کہ حضرت محقق رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے یہاں جس بات کا انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث تسمیہ میں ظنیت اثبات بمعنی اشتراک ہو۔ اشتراک کا مطلب یہ کہ دونوں احتمال برابر ہوں جیسے مشترک کے دونوں معنی برابر ہوتے ہیں جب تک کہ کسی ایک پر کوئی قرینہ نہ قائم ہو، اور انہوں نے لفظ مشترک الدلالۃ کے بجائے مشکوک الدلالۃ نہ کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ (دلالت تو دونوں معنوں پر موجود ہے ۱۲م) دلالت میں کوئی شک نہیں، صرف مدلول کی تعیین میں شک ہے، اور شرائط نماز میں اعتراف اس بات کا نہیں، وہاں انہوں نے بس احتمال موجود ہونے کا اعتراف کیا ہے اس کا انکار یہاں بھی نہیں، بلکہ اس کی تو صراحت فرمائی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں "ان دونوں حدیثوں میں نفی کمال ایک ایسا احتمال ہے کہ ظاہر اس کی مخالفت کررہا ہے اھ "یعنی احتمال ہے مگر چونکہ مرجوح ہے اس

اسی طرح کے دس تطفل (۲) لکھے اور ہر ایک میں عجیب و غریب اور نرالی شان کی نہ صرف ایک بلکہ بے شمار تحقیقات کے ابواب مفتوح فرمائے۔

{ انتباہ } امام ابن الہمام کی طرف داری اور امام البحر سے تطفل کا بھی عجیب طریقہ وسلیقہ ہے اور حق کے تحفظ اور ادب و تعظیم علما کا بہترین درس ہے ورنہ ابن الہمام کے متعلق حق تھا کہ ان کی طرف داری نہ ہو جب کہ وہ اپنے اجتہاد کو ترجیح دے کر حق مذہب کی راہ سے ہٹ

لئے وہ حدیث کو افادہ وجوب کے درجے سے نیچے نہ لا سکے گا، جیسا کہ ہم ان کی پوری عبارت پہلے نقل کر آئے ہیں، اور وہ آپ کے سامنے ہے اس سے ثابت ہوا کہ ان کی دونوں مقام کی عبارتوں میں بالکل کوئی تعارض نہیں وباللہ التوفیق۔ (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۳۰۰،۳۰۱)

(۲) ثمّ اشد العجب ف العجب علی العجب ان المحقق صاحب البحر فهم من کلام المحقق حیث اطلق رحمهما اللّٰه تعالی انه یدعی قطعیة دلالة الحدیث علی ایجاب التسمیة للوضوء حیث قال وقد اجاب (ای فی الفتح) عن قولهم لاواجب فی الوضوء بما حاصله ان هذا الحدیث لما کان ظنی الثبوت قطعی الدلالة ولم یصرف صارف افاد الوجوب اه.

پھر سخت حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ محقق صاحب بحر نے محقق علی الاطلاق رحمہا اللہ تعالی کے کلام سے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ وضو کے لئے وجوب تسمیہ پر حدیث کی دلالت قطعی ہے، بحر کے الفاظ یہ ہیں فقہا نے فرمایا کہ وضو میں کوئی واجب نہیں، اس کا فتح القدیر میں جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث جب ثبوت میں ظنی، دلالت میں قطعی ہے اور اسے اس معنی سے پھیرنے والی کوئی چیز نہیں تو وہ وجوب کا افادہ کرے گی اھ (اور وضو میں یہ واجب (تسمیہ) اس حدیث کے پیش نظر ثابت ہو جائے گا ۱۲م) (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۳۰۱،۳۰۲)

(۱) دو تطفلات حاشیے میں مذکور ہوئے بقیہ آٹھ کا مطالعہ کرنے کے لیے ص:۳۰۳ سے ۳۰۸ تک کا مطالعہ کیجیے۔ دسویں تطفل پر رسالہ " الجود الحلوفی ارکان الوضوء " بھی اختتام پذیر ہوا۔

گئے تھے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے رہتی دنیا کے محققین کو راہ بتائی کہ

خطائے بزرگان گرفتن خطاست

تطفل ۷ : کبھی تطفل کا رنگ تائیدی ہوتا ہے لیکن بایں معنی کہ حنفیت کا استدلال نہ صرف ایک دو حدیثوں سے بلکہ بکثرت احادیثِ مبارکہ اس کے استدلال کی مؤید ہیں چناں چہ کلی اور ناک کے لیے علاحدہ پانی کے استدلال کے خلاف ایک حدیث کا جواب ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے علم نے دیا۔ آپ نے اِن پر تطفل میں لکھا:

وانا[1] اقول: وباللّٰه التوفیق للعبد الضعیف فی الحدیث وجهان: الاوّل حمل الغرفة علی المرة ای غسل کل عضو مرة مرة بهذا تنحل العقد بمرة ولانسلم ان ذکر المضمضة والاستنشاق یستلزم استیعاب جمیع السنن لِمَ لا یجوزا ن یکون هذا بیانا لجواز الاقتصار علی مرة فی الفرائض والسنن وما فیه من البعد اللفظی یقربه جمع طرق الحدیث۔[۲]

فلعبد الرزاق عن عطاء بن یسار عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما انه توضأ فغسل کل عضو منه غسلة واحدة ثم ذکران

---

(۱) یہ تمام عربی عبارتیں فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۸۶۵-۸۷۰ سے نقل ہیں۔

(۱) ترجمہ: اقول: وباللہ التوفیق، میرے نزدیک تاویلِ حدیث کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: یہ کہ لفظ غرفہ کو مرۃ پر محمول کیا جائے یعنی ہر عضو کو ایک ایک بار دھویا۔ اسی سے ساری گرہیں یکبارگی کھل جائیں گی۔ اور یہ ہمیں تسلیم نہیں کہ مضمضہ اور استنشاق کا ذکر اسے مستلزم ہے کہ تمام سنتوں کا احاطہ رہا ہو۔ یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ یہ وضو اس امر کے بیان کے لئے ہو کہ فرائض اور سنن دونوں ہی میں ایک بار پر اقتصار جائز ہے۔ اس میں جو لفظی بُعد نظر آرہا ہے وہ اس حدیث کے مختلف طُرق جمع کرنے سے قریب آجائے گا۔

النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کان یفعلہ۔[۱]

ولسعید بن منصور فی سننہ بلفظ توضا النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فادخل یدہ فی الاناء فمضمض واستنشق مرۃ واحدۃ ثم ادخل یدہ فصب علی وجھہ مرۃ وصب علی یدہ مرۃ مرۃ ومسح براسہ واذنیہ مرۃ ثم اخذ ملأ کفہ من ماء فرش علی قدمیہ وھو منتعل اھ وسیاتی تفسیر ھذا الرش فی الحدیث۔[۲]

بل روی البخاری قال حدثنا محمد بن یوسف ثناسفیان عن زید بلفظ توضأ النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مرۃ مرۃ۔[۳]

وقال ابو داؤد وحدثنا مسددثنا یحیی عن سفیان ثنا زید۔

وقال النسائی اخبرنا محمد بن مثنی ثنا یحیی عن سفین ثنا زید۔

وقال الامام الاجل الطحاوی حدثنا ابن مرزوق ثنا ابو اصم

---

(۲) ترجمہ: عبدالرزاق کی روایت میں عطابن یسار سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے یہ ہے کہ انہوں نے وضو کیا تو اپنے ہر عضو کو ایک بار دھویا۔ پھر بتایا کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔

(۱) ترجمہ: سُنن سعید بن منصور کے الفاظ یہ ہیں: نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنا دستِ مبارک برتن میں ڈالا پھر کلّی کی اور ناک میں پانی چڑھایا ایک بار۔ پھر اپنا دست مبارک داخل کر کے (پانی نکالا) تو ایک بار اپنے چہرے پر بہایا اور اپنے ہاتھ پر ایک ایک بار بہایا۔ اور اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔ پھر ہتھیلی بھر پانی لے کر اپنے قدموں پر چھڑکا جب کہ حضور نعلین پہنے ہوئے تھے۔ اس چھڑکنے کی تفسیر آگے حدیث ہی میں آئے گی۔

(۲) ترجمہ: بلکہ امام بخاری نے روایت کی، فرمایا: ہم سے محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہم سے سفیان نے حدیث بیان کی وہ زید سے راوی ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں: نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا۔

عن سفين عن زيدولفظ الاولين فيه الا اخبر كم بوضؤ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فتوضأ مرة مرة وبمعناه لفظ الطحاوى۔[1]

وللنسائى من طريق ابن عجلان المذكور بعد مامر وغسل وجهه وغسل يديه مرة مرة ومسح برأسه واذنيه مرة ١ ــه الحديث. وفى هذا والذى مرعن سعيد بن منصور ابانة ماذكرته من ان ذكر المضمضة والاستنشاق لايستلزم استيعاب السنن حتى ينافى ترك التثليث فقد تظافرت الروايات على لفظ مرة والاحاديث يفسر بعضها بعضا فكيف وقد اتحد المخرج۔[2]

---

(۳) ترجمہ: ابوداؤد نے کہا: ہم سے مسدّد نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے راوی ہیں انہوں نے کہا مجھ سے زید نے حدیث بیان کی۔

نسائی نے کہا: ہمیں محمد بن مثنی نے خبر دی انہوں نے کہا ہم سے یحییٰ نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے راوی ہیں انہوں نے کہا ہم سے زید نے حدیث بیان کی۔

امام اجل طحاوی نے کہا: ہم سے ابن مرزوق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہم سے ابوعاصم نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے وہ زید سے راوی ہیں۔ ابوداؤد نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: کیا میں تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو نہ بتاؤں۔ پھر انہوں نے ایک ایک بار وضو کیا۔ اور اسی کے ہم معنی امام طحاوی کے الفاظ ہیں۔

(۱) ترجمہ: ابن عجلان کے مذکورہ طریق سے نسائی کی روایت میں سابقہ الفاظ کے بعد یہ ہے: اور اپنا چہرہ دھویا اور اپنے دونوں ہاتھ ایک ایک بار دھوئے۔ اور اپنے سر اور دونوں کانوں کا ایک بار مسح کیا۔ الحدیث۔

اس میں اور سعید بن منصور سے نقل شدہ روایت میں اس کی وضاحت موجود ہے جو میں نے ذکر کیا کہ مضمضہ واستنشاق کا تذکرہ تمام سنتوں کے احاطہ کو مستلزم نہیں کہ ترک تثلیث کے منافی ہو۔ کیوں کہ

اقول : وقد يشد عضده ان الحديث مطولا عند ابن ابی شيبة بزيادة ثم غرف غرفة فمسح رأسه واذنيه الحديث؟ـــه فالغرفة التى كانت توضى كلا من الوجه واليد والرجل لو استعملت فى الرأس لغسلته فانما اراد والله تعالى اعلم المرة مع التجديد ورحم الله ابا حاتم اذقال ماكنا نعرف الحديث حتى نكتبه من ستين وجها وانا اعلم ان الجادة فى روايات الوقائع حمل الاعم على الاخص ولكن لاغروفى العكس لاجل التصحيح.(۱)

والثانی : حمل الغرفة على الحفنة ای بكلتا اليدين وربما تطلق عليها فروى البخارى عن ام المومنين رضى الله تعالى عنها فيما حكت غسله صلى الله تعالى عليه وسلم " ثم يصب على

روایات "ایک بار" کے لفظ پر متفق ہیں اور احادیث میں ایک کی تفسیر دوسری سے ہوتی ہے۔ پھر جب مخرج ایک (زید بن اسلم) ہیں تو ایک حدیث دوسری کی مفسّر کیوں نہ ہوگی۔

(۲) ترجمہ: اقول: اس کی تقویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن ابی شیبہ کے یہاں یہ حدیث مطوّلاً اس اضافہ کے ساتھ ہے: ثم غرف غرفة فمسح رأسه واذنيه (پھر ایک چلو لے کر اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا) تو جس چلو سے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں میں سے ہر ایک کا وضو ہو جاتا تھا وہ اگر سر میں استعمال ہوتا تو اسے دھونے کا کام کر دیتا (نہ کہ اس سے صرف مسح ہوتا ۱۲م) تو مراد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ وہی ایک ایک بار ہے ساتھ ہی پانی کی تجدید بھی۔ خدا کی رحمت ہو ابو حاتم پر کہ وہ فرماتے ہیں ہمیں حدیث کی معرفت نہ ہوتی جب تک اسے ساٹھ طریقوں سے نہ لکھ لیتے۔ اور مجھے معلوم ہے کہ واقعات کی روایات میں عام راہ یہ ہے کہ اعم کو اخص پر محمول کیا جائے مگر تصحیح کی خاطر اس کے برعکس کرنا بھی جائے عجب نہیں۔

رأسه ثلث غرف بيديه.(۱)

ولا بی داؤد عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ، اما المرأة فلا علیها ان لاتنقضه لتغرف علی رأسها ثلث غرفات بکفیها.(۲)

ویؤیده حدیث ابی داؤد والطحاوی عن محمد بن اسحٰق عن محمد بن طلحة عن عبید اللہ الخولانی عن عبداللہ بن عباس عن علی رضی اللہ تعالی عنهم عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وفیه ثم ادخل یدیه جمیعا فاخذ حفنة من ماء فضرب بها علی رجله وفیها النعل فغسلها بها ثم الاخری مثل ذلک.(۳)

---

(۱) ترجمہ: دوسرا طریقہ: یہ کہ غرفہ کو حفنہ پر (چلو کو لَپ پر) یعنی دونوں ہاتھ ملا کر لینے پر محمول کیا جائے۔ اور بعض اوقات لفظ غرفہ کا اس معنٰی پر اطلاق ہوتا ہے۔

(۱) بخاری کی روایت میں ہے جو حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غسل مبارک کی حکایت میں آئی ہے کہ: "پھر اپنے سر پر تین چلو دونوں ہاتھوں سے بہاتے"۔

(۲) ترجمہ: (۲) ابوداؤد کی روایت میں ہے جو حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے "لیکن عورت پر اس میں کوئی حرج نہیں کہ بال نہ کھولے ، وہ اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلو ڈالے"

(۱) ترجمہ: (۳) اور اس کی تائید ابوداؤد اور طحاوی کی روایت سے ہوتی ہے جس کی سند یہ ہے۔ عن محمد بن اسحاق۔ عن محمد بن طلحہ عن عبید اللہ الخولانی۔ عن عبد اللہ بن عباس عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اس میں یہ ہے کہ پھر اپنے دونوں ہاتھ ڈال کر لپ بھر پانی لے کر اسے پاؤں پر مارا۔ جبکہ پاؤں میں جوتا موجود تھا۔ تو اس سے پاؤں دھویا پھر اسی طرح دوسرا پاؤں دھویا۔

{ تطفلات } فقیر حسبِ عادت مضمون کو بڑھاتا جارہا ہے حالاں کہ یہاں اختصار مطلوب ہے لیکن کیا کیا جائے جوں ہی امام و مجددِ بر حق کی تحقیق کے جَور (دریا) کی ٹھاٹھیں اور موجیں دیکھتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ چند چلّو اپنی تحریر کے کشکول میں ڈال دوں تاکہ میرے جیسے پیاسے کو بوقتِ ضرورت کام آئے یہی وجہ ہے کہ مضمون میں اختصار کے باوجود طوالت ہے۔ اس بحث کے آخر میں مذکورہ عنوان دے کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ امامِ اہل سنّت کا تطفل نہ صرف ایک بلکہ در جنوں پھر اس ہر ایک تطفل میں نئی آن نئی شان، چناں چہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ: "ایک وضو سے فارغ ہو کر معًا بہ نیت وضو علی الوضو دوسرا وضو کر لینا ہمارے یہاں بالاتفاق جائز ہے اور کسی کے نزدیک مکروہ نہیں" چوں کہ یہ مسئلہ احناف کا متفقہ ہے اسی لیے اس پر کچھ کہنا بے اتفاقی کا موجب ہے اور اس بے اتفاقی کا صدور احناف کے دوسرے بزرگوں ملا علی قاری اور علامہ حلبی صاحب الغنیہ شرح المنیہ رحمۃ اللہ علیہم سے ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے قلم نے گیارہ تطفلات ایک سانس میں بیان فرمادیے۔ اگرچہ مضمون طویل ہو جائے گا، لیکن چوں کہ خالص علمی بحث ہے اسی لیے چھوڑ دینا مناسب بھی نہیں، طوالت سے بچ کر چند تطفلات کا خلاصہ اور بعض کو جوں کا توں نقل کرتا ہوں۔

ایک وضو سے فارغ ہو کر معًا بہ نیت وضو علی الوضو دوسرا وضو کر لینا ہمارے یہاں بالاتفاق جائز ہے اور کسی کے نزدیک مکروہ نہیں اس پر علامہ حلبی نے وہ اشکال [1] قائم کیا اور علامہ علامہ علی قاری نے مرقات باب السنن الوضوء فصل ثانی میں زیر حدیث " **فمن زاد علی هذا فقد اساء وتعدی.** "(جس نے اس پر زیادتی کی اس نے برا کیا اور حد سے آگے بڑھا) اُن کی تبعیت کی۔

---

(۱) وضو عبادت مقصودہ نہیں بلکہ نماز وغیرہ کیلئے وسیلہ ہے ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے تو جب تک اس سے کوئی فعل مقصود مثل نماز یا سجدہ تلاوت یا مس مصحف واقع نہ ہولے اس کی تجدید مشروع نہ ہونی چاہئے کہ اسراف محض ہوگی۔ یہ اعتراض محقق ابراہیم حلبی کا ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۹۴۴، ۹۴۵)

اقول اولا: جب ائمہ ثقات نے ہمارے علما کا اتفاق نقل کیا اور دوسری جگہ سے خلاف ثابت نہیں تو بحث کی کیا گنجائش۔

ثانیا: عبادت غیر مقصودہ بالذات ہونے پر اتفاق سے یہ لازم نہیں کہ وہ وسیلہ ہی ہو کر جائز ہو بلکہ فی نفسہ بھی ایک نوع مقصودیت سے حظ رکھتا ہے ولہذا اجماع ہے کہ ہر وقت باوضو رہنا ہر حدث کے بعد معاً وضو کرنا مستحب ہے۔

فتاوی قاضی خان و خزانۃ المفتین و فتاوی ہندیہ وغیرہا میں وضوے مستحب کے شمار میں ہے: **ومنها المحافظة على الوضوء وتفسيره ان يتوضأ كلما احدث ليكون على الوضوء فى الاوقات كلها.**

ترجمہ: اسی میں سے وضو کی محافظت یہ ہے کہ جب بے وضو ہو وضو کرلے تاکہ ہمہ وقت باوضو رہے وضو کی محافظت اسلام کی سنت ہے۔

بلکہ امام رکن الاسلام محمد بن ابی بکر نے شرعۃ الاسلام میں اُسے اسلام کی سُنّتوں سے بتایا، فرماتے ہیں: **المحافظة على الوضوء سنة الاسلام.** (ہمیشہ باوضو رہنا اسلام کی سنّت ہے۔")[1]

اقول: خود محقق رحمہ اللہ نے آخر غنیہ میں سجدہ نماز و سہو و تلاوت و نذر و شکر پانچ سجدے ذکر کرکے فرمایا: **اما بغير سبب فليس بقربة ولامكروه. نقله عن المجتبى مقرا عليه ونقله عن الغنية فى ردالمحتار ايضا واقر هذا ههنا واعتمد ذاک ثمه الا ان يحمل ماهنا على كراهة التنزيه وما ثم على نفى المأ ثم اى كراهة التحريم فيتوافقان لكن يحتاج الحكم بكراهته ولو تنزيها الى دليل يفيده شرعا كما تقدم وهو لم يستند ههنا الى نقل فالله تعالى اعلم.**

ترجمہ: یعنی سجدہ بے سبب میں نہ ثواب نہ کراہت۔ غنیہ میں اسے مجتبیٰ سے نقل کر کے برقرار رکھا، اور غنیہ سے اسے ردالمحتار میں بھی نقل کیا اور وضو علی الوضو کے بیان میں غنیہ

---

(۱) (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۹۴۵)

کے قول (سجدہ بے سبب کی کراہت) کو برقرار رکھا اور آخر باب سجدہ تلاوت میں سجدہ بے سبب کے غیر مکروہ ہونے پر اعتماد کیا مگر تطبیق یوں ہو سکتی ہے یہاں جو کراہت مذکور ہے وہ کراہت تنزیہیہ پر محمول ہو اور وہاں جو نفی کراہت ہے وہ نفی گناہ یعنی کراہت تحریم کی نفی پر محمول ہو لیکن کراہت کا حکم کرنے کے لئے اگرچہ کراہت تنزیہیہ ہی ہو اس دلیل کی حاجت ہے جو شرعاً اس کی کراہت بتاتی ہو جیسا کہ یہ قاعدہ ذکر ہوا اور یہاں انہوں نے کسی نقل سے استناد نہ کیا اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔

عاشرا: وباللہ ف التوفیق سجدہ سب سے زیادہ خاص حاضری دربار ملک الملوک عزجلالہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد فاکثروا الدعاء رواه مسلم وابو داؤد. والنسائی عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه.**

ترجمہ: سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں بندہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے تو اس میں دعا بکثرت کرو (اسے مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا)

اور دربار شاہی میں بے اذن حاضری جرأت ہے اور سجدہ بے سبب کے لیے اذن معلوم نہیں، ولہٰذا شافعیہ کے نزدیک حرام ہے۔ **کما صرح به الامام الاردبیلی الشافعی فی الانوار** (جیسا کہ امام اردبیلی شافعی نے انوار میں تصریحات کی۔) اس بناء پر اگر سجدہ بے سبب مکروہ ہو تو وضو کا اس پر قیاس محض بلا جامع ہے۔

رہا علامہ شامی کا اس کی تائید میں فرمانا کہ ہدیہ ابن عماد میں ہے: **قال فی شرح المصابیح انما یستحب الوضوء اذا صلی بالوضوء الاول صلٰوة کذا فی الشرعة والقنیة اه وکذا ماقاله المناوی فی شرح الجامع الصغیرعندحدیث من توضأ علی طهران المراد الوضوء الذی صلی به فرضا او نفلا کما بینه فعل راوی الخبر ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما فمن لم یصل به شیا لایسن له تجدیده اه ومقتضی هذا**

کراهته وان تبدل المجلس مالم یؤدبه صلاة اونحوها.

اقول: شرعۃ الاسلام میں اس کا پتانہیں ،اس میں صرف اس قدر ہے: التطهر لکل صلاة سنة النبی علیه الصلاة والسلام. ہر نماز کے لئے وضو کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔

ہاں سید علی زادہ نے اُس کی شرح میں مضمون مذکور شرح مصابیح سے نقل کیا اور اُس سے پہلے صاف تعمیم کا حکم دیا، حیث قال فالمؤمن ینبغی ان یجدد الوضوء فی کل وقت وان کان علی طهر قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من توضأ علی طهر کتب له عشر حسنات وقال فی شرح المصابیح تجدید الوضوء فی کل وقت انما یستحب اذا صلی بالوضوء الاول صلاة والا فلا. اھ

ترجمہ: ان کے الفاظ یہ ہیں: تو مومن کو چاہیے کہ ہر وقت تازہ وضو کرے اگرچہ باوضو رہا ہو، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے باوضو ہوتے ہوئے وضو کیا اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ اور شرح مصابیح میں کہا کہ ہر وقت تجدید وضو مستحب ہونے کی شرط یہ ہے کہ پہلے وضو سے کوئی نماز ادا کرلی ہو، ورنہ نہیں۔

قلت وبه ظهر ان قوله کذا فی الشرعة ای شرحها اشارة الی قوله قال فی شرح المصابیح لاداخل تحت قال.

ترجمہ: قلت اسی سے ظاہر ہوا کہ ابن عماد کی عبارت "کذا فی الشرعۃ ۔۔۔۔ ایسا ہی شرعۃ الاسلام یعنی اسکی شرح میں ہے" کا اشارہ ان کی عبارت "قال فی شرح المصابیح" (شرح مصابیح میں کہا) کی طرف ہے۔ یہ شرح مصابیح کے کلام میں شامل نہیں۔

بہر حال **اولا:** قنیہ کا حال ضعف معلوم ہے اور شرح شرعہ بھی مبسوط ونہایہ وعنایہ ومعراج الدرایہ وکافی وفتح القدیر وحلیہ وسراج وخلاصہ وناطفی میں کسی کے معارض نہیں ہوسکتی نہ کہ اُن کا اور اُن کے ساتھ اور کتب کثیرہ سب کے مجموع کا معارضہ کرے۔ پھر اعتبار منقول عنہ کا ہے اور شرح مصابیح شروح حدیث سے ہے معتمدات فقہ کا مقابلہ نہ کرے گی نہ کہ مسئلہ اتفاق۔

علامہ مصطفی رحمتی نے شرح مشارق ابن ملک کے نص صریح کو اسی بنا پر رد کیا اور اُسے اطلاقاتِ کتب مذہب کے مقابل معارضہ کے قابل نہ مانا اور خود علامہ شامی نے اُسے نقل کرکے مقرر فرمایا۔ حیث قال علی قوله لكن فی شرح المشارق لابن ملك لو وطئها وهی نائمة لایحلها للاول لعدم ذوق العسیلة فیه ان هذا الكتاب لیس موضوعا لنقل المذهب واطلاق المتون والشروح یرده وذوق العسیلة للنائمة موجود حکما الا یری ان النائم اذا وجد البلل یجب علیه الغسل وكذا المغمی علیه. الخ

ترجمہ: تفصیل یہ ہے کہ در مختار میں لکھا لیکن ابن ملک کی شرح المشارق میں ہے کہ اگر عورت سو رہی تھی اور اس سے وطی کی تو شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی اس لئے کہ اس کے حق میں ذوق عسیلہ (مرد کے چھتے کا مزہ پانے) کی شرط نہ پائی گئی اس پر علامہ رحمتی نے یہ اعتراض کیا: اس میں خامی یہ ہے کہ کتاب نقل مذہب کے لئے نہ لکھی گئی اور متون و شروح کے اطلاق سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اور سونے والی کے لئے بھی مزہ پانے کی شرط حکما موجود ہے کیا دیکھا نہیں کہ سونے والا تری پائے تو اس پر غسل واجب ہوجاتا ہے اسی طرح وہ بھی جو بے ہوش رہا ہو۔

ثانیا: علامہ مناوی شافعی ہیں فقہ میں اُن کا کلام نصوص فقہ حنفی کے خلاف کیا قابل ذکر۔

ثالثا: وہی مناوی اسی جامع صغیر کی شرح تیسیر میں کہ شرح کبیر کی تلخیص ہے اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں: فتجدید الوضوء سنة مؤكدة اذا صلی بالاول صلاة ما۔

تو تجدید وضوء سنتِ مؤکدہ ہے جب پہلے وضوء سے کوئی بھی نماز ادا کرچکا ہو۔

معلوم ہوا کہ لایسن سے اُن کی مراد نفی سنت مؤکدہ ہے۔

وصاحب الدار أدری. (اور صاحبِ خانہ کو زیادہ علم ہوتا ہے۔ ت) اور اُس کی نفی مقتضی کراہت نہیں کمالایخفی (جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ ت)[1]

---

(۱) (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۹۵۳- ۹۵۷)

وجہ دوم:
ایک جلسہ میں وضو کی تکرار مکروہ ہے۔ سراج وہاج میں اسے اسراف کہا تو قبل تبدل مجلس وضو علی الوضوء کی نیت کیونکر کرسکتا ہے۔ یہ شبہہ بحرالرائق کا ہے کہ اسی عبارت خلاصہ پر وارد فرمایا۔

اقول: جس مسئلہ پر عبارت سراج سے اعتراض فرمایا وہ خود سراج کا بھی مسئلہ ہے۔
ہندیہ میں ہے: **لوزاد علی الثلث لطمانینة القلب عند الشک اوبنیة وضوء اخر فلا باس به ھکذا فی النھایة والسراج الوھاج.**
ترجمہ: شک ہونے کے وقت اطمینانِ قلب کیلئے یا دوسرے وضو کی نیت سے دھویا تو کوئی حرج نہیں ایسا ہی نہایہ اور سراج وہاج میں ہے۔

کیا کلام سراج خود اپنے مناقض ہے اور اگر ہے تو اُن کا وہ کلام احق بالقبول ہوگا جو عامہ اکابر فحول کے موافق ہے یا وہ کہ اُن سب کے اور خود اپنے بھی مخالف ہے۔ لاجرم صاحب بحر کے برادر و تلمیذ نے نہرالفائق میں ظاہر کردیا کہ سراج نے ایک مجلس میں چند بار وضو کو مکروہ کہا ہے دوبار میں حرج نہیں تو اعتراض نہ رہا۔ سراج وہاج کی عبارت یہ ہے: **لو تکرر الوضوء فی مجلس واحد مرارا لم یستحب بل یکرہ لما فیه من الاسراف.اھ وھذا ھو ماخذ ماقدمنا عن المولی النابلسی رحمه اللّٰه تعالٰی.**
ترجمہ: اگر وضو ایک مجلس میں چند بار مکرر ہو تو مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اسراف ہے اھ یہی اس کلام کا ماخذ ہے جو ہم نے علامہ نابلسی رحمہ اللہ کے حوالہ سے پیش کیا۔

اقول وباللہ التوفیق: وضوے جدید میں کوئی غرض صحیح مقبول شرع ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو واجب کہ مطلقاً تجدید مکروہ و ممنوع ہو اگرچہ ایک ہی بار اگرچہ مجلس بدل کر اگرچہ ایک نماز پڑھ کر کہ بیکار بہانا ہی اسراف ہے اور اسراف ناجائز ہے، اور اگر غرض صحیح ہے مثلاً زیادت نظافت تو وہ غرض زیادت قبول کرتی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ایک ہی بار کی اجازت چاہئے اگرچہ مجلس بدل جائے کہ تبدیل مجلس نامتزاید نہ کردے گا وہ کونسی غرض شرعی ہے کہ ایک جگہ بیٹھے

بیٹھے تو قابل زیادت نہیں اور وہاں سے اُٹھ کر ایک قدم ہٹ کر بیٹھ جائے تو از سرنو زیادت پائے، اور اگر ہاں تو کیا وجہ ہے کہ مجلس میں دوبارہ تکرار کی اجازت نہ ہو بالجملہ جگہ بدلنے کو اسباب میں کوئی دخل نظر نہیں آتا تو قدم قدم ہٹ کر سو بار تکرار کی اجازت اور بے ہٹے ایک بار سے زیادہ کی ممانعت کوئی وجہ نہیں رکھتی۔ احادیث بے شک مطلق ہیں اور ہمارے ائمہ کا متفق علیہ مسئلہ بھی یقیناً مطلق اور ایک اور متعدد کا تفرقہ ناموجّہ واللّٰہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

واشار فی الدر الی الجواب بوجہ اخر فقال لعل کراھۃ تکرارہ فی مجلس تنزیھیۃ. اھ ای فلا یخالف قولھم لو زاد بنیۃ وضوء اخر فلا باس بہ لان الکلمۃ غالب استعمالھا فی کراھۃ التنزیہ.

در مختار میں ایک دوسرے طریقے پر جواب کی طرف اشارہ کیا اس کے الفاظ یہ ہیں شاید ایک مجلس کے اندر تکرار وضو کی کراہت تنزیہی ہو اھ مطلب یہ ہے کہ یہ مان لینے سے ان کے اس قول کی مخالفت نہ ہوگی کہ "اگر وضو کی نیت سے زیادتی کی تو کوئی حرج نہیں (فلا باس بہ) اس لئے کہ یہ کلمہ زیادہ تر کراہت تنزیہیہ میں استعمال ہوتا ہے۔

اقول : ویبتنی علی مااختارہ ان الاسراف مکروہ تحریما لان المستثنی اذا ثبت فیہ کراھۃ التنزیہ فلولم تکن فی المستثنی منہ الاھی لم یصح الثنیا.

اقول: اس جواب کی بنیاد اس پر ہے جو صاحب در مختار نے اختیار کیا کہ اسراف مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ مستثنٰی میں جب کراہت تنزیہیہ ثابت ہوئی تو اگر مستثنٰی منہ میں بھی یہی کراہت رہی ہو تو استثناء درست نہ ہوا۔ **فان قلت معھا مسألۃ الزیادۃ للطمانینۃ عند الشک وقد حکموا علیھما بحکم واحد وھو لاباس بہ وھذہ الزیادۃ مطلوبۃ قطعا لقولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم دع مایریبک فکیف یحمل علی کراھۃ التنزیہ.**

اگر یہ سوال ہو کہ اس کے ساتھ بوقت شک اطمینان کے لئے زیادتی کا مسئلہ بھی تو ہے اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا گیا ہے کہ لاباس بہ (اس میں حرج نہیں) حالانکہ یہ زیادتی تو قطعاً مطلوب ہے اس لئے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شک کی حالت چھوڑ

کروہ اختیار کرو جو شک سے خالی ہو تو اسے کراہت تنزیہ پر کیسے محمول کریں گے۔[1]

۸: بڑے سے بڑا محقق بلکہ امامِ فقہ کیوں نہ ہو اس نے خلاف کیا تو امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلم نے انہیں معاف نہیں فرمایا بلکہ ادب کے دائرہ میں مثلاً ابن ہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مذہبِ حنفیہ کے خلاف لکھ دیا کہ وضو کے ابتداء میں بسم اللہ واجب ہے، حالاں کہ سنت ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بطورِ تطفل فتاویٰ رضویہ صفحہ ۲۴، ۲۵ جلد اوّل میں کہا اور خوب کہا اور ساتھ کی معروضۃ علی ردالمختار بھی اَسی کی کڑی ہے جس تحقیق رضوی کو داد دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

۹: بے ادبی کسی سے اور کسی کو بھی گوارا نہیں۔ انبیاء و اولیاء، صحابہ و اہل سنّت اور علماء و فقہاء اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا یہی اختلاف ان کا طرہ امتیاز ہے اور آپ کی اکثر تصانیف کا اکثر موضوع یہی بحث مبارک ہے۔ اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں بلکہ چند نمونے علماء و فقہاء کے متعلق عرض کردوں کہ کسی سے بھی بے ادبی کا معمولی شائبہ محسوس کیا تو فوراً ہی ٹوک دیا خواہ کہنے والا کتنی ہی معزز و مکرم کیوں نہ ہو البتہ ائمہ کرام اور اسلافِ عظام سے تطفل اور دیگر عوام و خواص پر تعاقب و تعرض فرمایا مثلاً

(ا) وضو و غسل کے بعد اعضائے وضو کو کپڑے سے معمولی طور پر پوچھنا مستحب ہے لیکن بعض نے اس کا انکار کیا، ان کا استدلال ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث شریف ہے کہ حضرت بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو غسل کے بعد ایک کپڑا پیش کیا تو آپ نے نہ لیا۔

اس کے جوابات محدثینِ کرام نے اپنے انداز میں دیے اور خوب دیے۔ ایک جواب حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا کہ "اس سے کراہت ثابت نہیں ہوتی **لانها واقعة عين لا عموم لها** (یہ ایک معین واقعہ ہے اس میں عموم نہیں ہے۔) ممکن ہے کہ وہ کپڑا میلا تھا پسند نہ فرمایا۔ **ذكره الامام النووى فى شرح المهذب** (امام نووی نے یہ وجہ شرح مہذب میں

---

(۱) (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۹۵۸- ۹۶۰)

بیان فرمائی۔)"

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو یہ جواب اس لیے ناپسند آیا کہ اس میں بی بی میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک گمان کرنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو میلا کپڑا دے دیا ہوگا۔ یہ اُم المومنین کی شان کے خلاف ہے، چناں چہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا اپنا بیان پڑھیے:

اقول: وفیہ بُعد ان تکون ام المومنین اختارت له صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مثل هذا مع علمها بکمال نزاهته ونظافته ولطافته صلی اللّٰه علیه وسلم الا ان یقال ظنت الحاجة لبرد ونحوه ولم یحد الاما اتت به.

ترجمہ: اقول: اس توجیہ پر اعتراض ہے کہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی پاکیزگی، صفائی اور لطافت معلوم تھی اس لیے یہ بعید ہے کہ انھوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسا کپڑا پسند کیا ہو مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ٹھنڈک وغیرہ کی وجہ سے یہ سمجھا کہ رومال کی ضرورت ہے اور جو حاضر لائیں اس کے علاوہ دوسرا انھیں دست یاب نہ ہوا۔ (۱)

(۲) یہ ادب و تعظیم نہ صرف اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بلکہ جملہ انبیاے کرام علیہم السلام کے لیے بھی تھی کہ جس سے ان کے بارے میں معمولی تساہل ہوا تو فوراً تطفل کے رنگ میں اقول لکھ کر توضیح فرمائی، چناں چہ کشف الرموز میں علامہ مقدسی سے تساہل ہوا کہ نیند سے وضو نہ جانا دوسرے انبیاے کرام علیہم السلام کے لیے نہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ان کی تردید صحیحین کی حدیث شریف سے فرمائی:

قلت ای بالنسبة الی الامة والا فالا نبیاء جمیعا کذلک علیهم الصلاة والسلام لحدیث الصحیحین عن انس رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الانبیاء تنام اعینهم ولاتنام قلوبهم. فاندفع مافی کشف الرموز ان مقتضی کونه من الخصائص ان غیره صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من

---

(۱) (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۳۱۹)

الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام لیس کذلک. اھ
ترجمہ: قلت: یعنی امت کے لحاظ سے سرکار کی یہ خصوصیت ہے ورنہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا یہی وصف ہے اس لئے کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے، تو (خصوصیت بہ نسبت امت مراد لینے سے) وہ شبہ دور ہوگیا جو کشف الرمز میں پیش کیا ہے کہ اس امر کے خصائص سرکار سے ہونے کا مقتضا یہ ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ السلام کا یہ حال نہیں۔ اھ[1]
بلکہ اس سے آگے بڑھ کر بحر العلوم مولانا عبد العلی لکھنوی کے حوالے[2] سے لکھا کہ

---

(۱) (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۵۷۳، ۵۷۴)

(۱) وھل یجوز ان یکون ذلک لاحد من اکابر الامۃ وراثۃ منہ صلی اللہ علیہ وسلم قال المولی ملک العلماء بحرالعلوم عبدالعلی محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الارکان الاربعۃ ان قال احد ان کان فی اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بلغ رتبۃ لایغفل فی نومہ بقلبہ انما تغفل عیناہ بیمن اتباعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کالشیخ الامام محی الدین عبدالقادر الجیلانی قدس سرّہ وغیرہ ممن وصل الی ھذہ الرتبۃ وان لم یصل مرتبتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یکن قولہ بعیدا عن الصواب فافھم. اھ

کیا یہ ہوسکتا ہے کہ سرکار اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی وارثت کے طور پر ان کی امت کے اکابر میں سے کسی کو یہ وصف مل جائے؟ ملک العلما بحر العلوم مولانا عبد العلی محمد رحمۃ اللہ تعالی ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں: اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے متبعین میں سے کوئی اس رتبہ کو پہنچ گیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی برکت سے نیند میں اس کا دل غافل نہ ہوتا صرف اس کی آنکھیں غافل ہوتیں، جیسے امام محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ اور ان کے علاوہ وہ اکابر جن کا یہ وصف

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت سے حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یہ مرتبہ حاصل تھا ایسے ہی اور اکابر اولیا جو اس مرتبہ تک پہنچے اگرچہ سیدنا حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مراتب کو نہ پہنچ سکے ہوں۔ اس مسئلہ کو خود اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے حدیث شریف سے ثابت کیا۔

۱۰: کبھی اختلاف مہارت کے تسامح میں بھی ہوتا ہے چناں چہ نہر الفائق کے مصنف کو اس نکتہ سنجی کی تعریف فرمائی کہ لاخیر کا اطلاق وہیں ہو گا جہاں شر حاصل ہو لیکن اس نکتہ سنجی کے لیے جو عبارت [1] لائے وہ ایک عربی دان کے لائق نہیں، چناں چہ امام احمد رضا خان نہر اور اس سے نقل کرنے والوں پر تطفل فرماتے ہوئے فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں:

اقول مگر نظرِ دقیق لیس بخیر اور لاخیر فیہ میں فرق کرتی ہے مباح ضرور، نہ خیر نہ شر، مگر اس کے فعل پر مواخذہ نہیں، اور مؤاخذہ نہ ہونا خود خیر کثیر و نفع عظیم ہے تو لاخیر فیہ وہیں اطلاق ہو گا جہاں شر حاصل ہو۔ **فاصاب رحمه الله تعالى فى قوله المراد ماليس بخير وتسامح فى قوله لاخير فيه فحق العبارة المباح ليس بخير كما انه ليس بشر.**

رہا ہو اگرچہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبے تک ان کی رسائی نہ ہو، تو یہ قول حق سے بعید نہ ہو گا، فافہم اھ۔ (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۵۷۴، ۵۷۵)

(۱) نفی خیر اپنے معنی لغوی پر اگرچہ مباح سے بھی ممکن کہ جب طرفین برابر ہیں تو کسی میں نہ خیر نہ شر ولہٰذا علامہ عمر نے نہر الفائق میں مسئلہ کراہت کلام بعد طلوع فجر تا طلوع شمس وبعد نماز عشا میں فرمایا: **المراد ماليس بخير وانما يتحقق فى كلام هو عبادة اذالمباح لاخير فيه كما لااثم فيه فيكره فى هذه الاوقات كلها. نقله السيد ابو السعود فى فتح الله المعين.** مراد وہ کلام ہے جو خیر نہ ہو اور خیر کا تحقق اسی کلام میں ہو گا جو عبادت ہو اس لئے کہ مباح میں "کوئی خیر نہیں" جیسے اس میں "کوئی گناہ نہیں تو مباح کلام بھی ان اوقات میں مکروہ ہو گا اسے سید ابو السعود نے فتح اللہ المعین میں نہر سے نقل کیا (ت) (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۹۸۷)

صاحب النہر نے یہ تو ٹھیک فرمایا کہ مراد مالیس بخیر (وہ جو خیر نہیں) اور اس میں ان سے تسامح ہوا کہ المباح لاخیر فیہ (مباح میں کوئی خیر نہیں) صحیح تعبیر یہ تھی کہ المباح لیس بخیر کما انہ لیس بشر مباح اچھا نہیں جیسے کہ وہ برا بھی نہیں۔ (۱)

اس کے بعد اپنے دعویٰ کو قرآنی آیات سے محقق فرمایا۔

" **تلک عشرة کاملة** "اختصار کے پیشِ نظر انھی دس انواع پر اکتفا کرتا ہوں اگر ان جملہ انواع کا احصا کیا جائے تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی اور پھر فتاویٰ رضویہ معروضہ کے عنوانات بھی اس موضوع کی ایک کڑی ہیں۔ فقیر نے صرف فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل کے چند صفحات سے تلخیص کی ہے انہیں بالاستیعاب ذکر نہیں کیا ورنہ اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ اس موضوع کا صرف فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل کو توضیحات کے ساتھ بیان کیا جائے تو بحرِ ذخّار ٹھاٹھیں مارتا ہوا محسوس ہوگا۔ **واللہ رسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب**

---

(۱) (فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۹۸۷)